پروفیسر خالد شبیر احمد
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

(قسط نمبر: ۹)

اکابرِ اسلام اور قادیانیت

یہ لوگ اپنے خلیفے کی دامے، قدمے، سخنے مدد کر کے اس کو ہر ابتلاء اور بحران سے بچاتے ہیں۔ پھر بھی اسی کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں اس تربیت نے ان سے تخلیقی عمل کی صلاحیت سلب کر لی ہے۔ تاکہ وہ دانہ و دام میں تمیز نہ کر سکیں۔ وہ جب چاہے عقائد بدل دیتا ہے۔ اس نے منیر ٹربیونل کے سامنے مسلمانوں کے جنازے کے جواز کا اقرار کیا۔ کسی قادیانی کے کان پر جُوں نہ رینگی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ سینکڑوں مریدوں کو اس ایک بات پر سزائیں دے چکا تھا۔ کسی وقت ایک قادیانی باپ نے اپنے مسلمان بیٹے کا جنازہ پڑھا اور کسی وقت ایک قادیانی بیٹے نے مسلمان باپ کی نماز جنازہ کرا کے، جنازے کو کندھا دیا۔ جونہی ختم نبوت کی برق آسا تحریک نے زور پکڑا اس نے فوراً قادیانیت کی تبلیغ کو منسوخ کر دیا۔ اپنے متعلقہ محکموں کے نام بدل ڈالے۔ پریس میں اعلان کیا کہ وہ اس کی جماعت اپنے خانہ ساز دین کی تبلیغ سے مجتنب رہے گی۔ گویا اس نے ثابت کر دیا کہ اس کی خلافت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اپنے عقائد کے مہیب عواقب سے بچنے کے لیے اس نے اپنے مسلمانوں سے الگ رہنے کے ہر فعل کو ایک بزدلانہ مدافعت قرار دینے میں ذرا دریغ سے کام نہ لیا۔ کیونکہ اس کے صمٌ بکمٌ عمیٌ قسم کے مرید اس کے ارتداد کو بھی الہامی سمجھ کر سرنگوں ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کو یہ نصیحت ہے ؎

دیکھ جو کچھ سامنے آئے زباں سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر، دہن تصویر کا

خلافت پر متمکن ہوتے ہی اس دشمن ایمان و آگہی اور رہزن تمکین و ہوش نے پرانے اور بزرگ قسم کے مریدوں کو کمال چابکدستی سے حقیر مناصب پر مقرر کیا۔ ان پرانے یارانِ سرپل کو مسلط کیا، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو حسن و قبح کے معیار کے لیے اس کے چشم و ابرو کو دیکھتے تھے۔ اس کی پیشانی کی شکنوں کو گنتے رہتے تھے اس کے حکام کو سروش سمجھتے تھے۔ انہوں نے قرون اولیٰ کے عالم اور بزرگ احمدیوں کو غبارِ رہگزر بنا کر رکھ دیا۔ جب یہ لوگ چکی کے پاٹوں میں پس کر سرمۂ مفت نظر ہو گئے تو تقریباً بیس سال کے بعد اس نے اپنے ساختہ پرداختہ نظام کی نیو ڈالی۔ اس کا نام رکھا "تحریک جدید" اسی طرح جماعت میں یہ تاثر پیدا کیا کہ بانیٔ سلسلہ کی چلائی ہوئی تحریک اپنے اثر سے عاری ہو چکی ہے۔ اور جماعت ایک تازہ زندگی کی محتاج ہے اس تحریک جدید میں تازہ" واردان بساط ہوائے دل" کو فروغ نصیب ہوا انہوں نے ۱۹۱۴ء کی بنائی ہوئی انجمن کے ناظروں کو اس طرح بے اثر کر دیا جس طرح ناظروں نے بانیٔ سلسلہ کے رفقاء کو ۱۹۱۴ء میں بے دخل اور بے اثر کر دیا تھا جُوں جُوں تحریک

جدید زور پکڑتی گئی تُوں تُوں ناظر صاحبان متروکاتِ سخن ہوکر رہ گئے۔ تحریک جدید خود ایک سازش کی آفریدہ تھی۔ اس کے توسط سے مرکزی نظام صیدِ لاغر ہوکر خلیفہ کے پاؤں پر آ گرا۔ اس تحریک پر اس کے اپنے خاندان کے لوگ متولی ہو گئے اور دفتری نظام اور اس کے تمام شعبہ جات گھریلو صنعت ہوکر رہ گئے۔ مریدوں نے اپنی ارادتوں کے مرکز کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرقد بنتے دیکھا۔ مگر وہ بول نہ سکے۔ کیونکہ معاشی احتیاج نے ان کے جذبۂ احتجاج کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔

تحریک جدید کو فروغ دینے کے لیے خلیفہ صاحب نے جماعت کے نوجوانوں سے وقف زندگی کی اپیل کی تو نوجوان دینی خدمت کی تمناؤں سے سرشار ہوکر خلیفہ کے یمین و یسار میں جمع ہو گئے۔ خلیفہ صاحب نے پرانے اور قدیم لوگوں کو عضوِ معطل بنانے کے لیے نوجوانوں کو ایسے ایسے عہدے تفویض کئے جو ان کی عمر اور تجربہ سے کہیں بڑھ کر تھے۔ گویا خلیفہ صاحب اپنی جماعت کی تخریب کے معمار بن کر تقدیر کی تعزیر کو دعوت عمل دے رہے تھے۔ نوجوان جو قوت قدسی کی جستجو میں خلیفہ کی چوکھٹ پر سرنگوں ہوئے تھے، وہ خلیفہ صاحب کے کرب انگیز قرب سے خلیفہ کے خلوت کدوں کے اسرار و غوامض سے آگاہ ہوکر دہریت کی طرف مائل ہو گئے۔

خلیفہ صاحب کی نجی زندگی کے رنگین و سنگین مناظر ان کے عقیدتوں کے لیے پیغام اجل ثابت ہوئے۔ ان کی طبائع میں خروج کی روح بیدار ہوئی کیونکہ جو کچھ روز دیکھنے میں آتا تھا، وہ دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ آنکھیں اس عریانی کے دیکھنے کے لیے نہ بنی تھیں جو قصرِ خلافت کے اندر باہر پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں سے اکثر پھسل کر غلاظت کے اس جوہڑ میں جا گرے گویا ان کو خلافت پاک کے درون خانہ کا حق الیقین ہو گیا' ان میں بعض وہ تھے' جن کو ان کا عین الیقین تھا' بعضوں کو علم الیقین...... ہر چند کہ وہ خلافت کی قہرمانیوں سے لرزتے تھے، وہ اپنی زبانوں پر قفل بھی نہ لگا سکتے تھے۔ قادیان میں ہی خلیفہ کی مجلس متنوّرات کے سارے راز زبان زدِ خلائق ہو گئے تھے۔ ربوہ کے ویرانہ آبادنما میں خلیفہ کے جنونِ زوج نے وہ گل کھلائے کہ ان کی باطنی غلاظتِ ابل کر کوچہ و بازار میں آ گئی۔ وہ نوجوان جو واقفِ زندگی ہوکر گئے تھے۔ واقفِ راز ہوکر نکلنے لگے۔ خلیفہ صاحب کا ایک ہی سہارا تھا وہ تھی راز کی سنگینی ان کو یقین تھا کہ نہ کوئی وہ راز کہہ سکتا ہے اور نہ کوئی باور کر سکتا ہے۔ گویا وہ اپنے ہوشربا اعمال کی پردہ پوشی کے لیے انسان کی فطری حیا پر تکیہ کئے بیٹھے تھے۔ جو انسان اپنے جرائم کے اخفاء کے لیے لوگوں کی بے بسی کا سہارا لیتا ہے۔ وہ خود کتنا بے بس ہوتا ہے۔

واقفین راز بھی ایک عجیب قلبی خلفشار میں مبتلا تھے جب وہ گھناؤنے مناظر جو قصرِ خلافت میں دیکھنے میں آئے تھے۔ اُن کے سامنے آئے تو وہ باور نہ کر سکے۔ جب باور کیا تو اس کو اپنے وجود میں سمو نہ سکے۔ جب ان کو سمو لیا تو بیان نہ کر سکے۔ جب وہ آتشیں راز دل و دماغ کی گہرائیوں سے اُبل کر لب تک آیا تو وہ سامعین کو تسلیم نہ کروا سکے کیونکہ جو عریانی رویّت پر برق خاطف میں کر گرتی ہے وہ سماعت کو کیونکر گوارا ہو سکتی ہے۔ دل کی یہ کیفیت اوائل میں محض بے بسی تھی۔ لیکن یہ بے بسی مداوا نہ پا کر برق و رعد بنی اور اس نے مجروح قلب نوجوانوں کو ایک نقطہ پر منظم کیا۔ اور انہوں نے زیرِ زمین تحریک

چلائی۔کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ اس آتشیں راز کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیتے۔غالب نے کیا خوب کہا ہے۔؎

لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمتِ دل میں سوزِ غم چھپانے کی

ویسے بھی تحلیل نفس ہے۔اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ وہ اذیت وایذاء جو لاشعور میں چلا جاتا ہے۔وہ تمام شعوری اعمال کو متاثر کرتا رہتا ہے۔اس کے شعوری مظاہر میں بجلی کا اثر ہوتا ہے۔یہی وہ بجلیاں تھیں جو ربوہ میں کوندیں اور ایوانِ خلافت کو متزلزل کر دیا۔خلیفہ صاحب یوم تبلی السراء کے خوف سے لرزہ براندام ہوگئے اور اس کی روک تھام کی تدبیریں سوچنے لگے۔انہوں نے علاج بالمثل کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا۔وہ فتنہ تھا اپنے بیٹے ناصر احمد کی خلافت کا۔اس ترکیب سے انہوں نے چاہا کہ لوگوں کی توجہ ان کے اعمال سے ہٹ جائے اور وہ ایک فتنہ میں الجھ جائیں۔لیکن یہ تدبیر بھی کوئی کارگر ثابت نہ ہوئی۔کیونکہ اس سے شمکش پیکار کا آغاز ہوا اور اس پیکار سے چند صالح اور سرفروش نوجوان کھل کر سامنے آ گئے۔انہوں نے اپنی مساعی کو منظم کیا۔اور اس تنظیم کا نام ''حقیقت پسند پارٹی'' رکھا۔وہ خلیفہ صاحب کے ہتھکنڈوں سے خوب واقف تھے۔وہ مسائل میں بالکل نہ الجھے اور عوام اور حکام کی توجہ قصر خلافت کے باطنی رازوں پر مرکوز کرنا شروع کر دیا۔ان کے جوش وخلوص کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی اخبارات کا غیور طبقہ ان کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ارباب بصیرت کی نظر میں بھی'' من قال سے زیادہ ما قال'' پر لگی ہوئی ہیں۔یہ دلیر نوجوان خلیفہ کی سفاکیوں اور تعدیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اب تک نبرد آزما ہیں۔اور اس کی بوسیدہ شخصیت کو قادیانیوں اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے سامنے بے نقاب کر رہے ہیں۔

انہوں نے کمال تدبر سے خلیفہ صاحب کی زندگی کے تاریک گوشوں کو اجالے میں لانے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔انہوں نے قادیانیوں کو بتایا ہے کہ تمہارا اجالا داغ داغ اور تمہاری سحر شب گزیدہ ہے۔انہوں نے خلیفہ کے دین کے چہرے سے نقاب اٹھا کر اس کی لادینی کو لوگوں پر روشن کیا ہے۔انہوں نے بتایا ہے کہ جو اپنے آپ کو پندرہ سال ہنرگولی نس کے لقب سے ملقب کرتا رہا وہ اسلام سے کتنا دور اور کلیسائی شرک سے کتنا قریب ہے۔کیونکہ اسلام تجسیم خداوندی کا دشمن ہے اور عیسائیت اس کی علمبردار۔یہ ان نوجوانوں کی سعی مشکور کا نتیجہ ہے کہ خلیفہ صاحب بوکھلا کر بے توازن خطبات سے اپنے رازوں کو طشت از بام کر رہے ہیں۔کبھی اپنے آپ کو فخر رسل کہہ کر اسلام اور رسالت مآب ﷺ کے خلاف بغاوت کرتے ہیں،کبھی پاکستان اور ہندوستان کی حدِ فاصل کو مٹانے کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔گویا نہ وہ دین کے وفادار ہیں نہ وطن کے بہی خواہ۔

راحت ملک اس پارٹی کے انقلابی ادیب وشاعر ہیں۔جنہوں نے قلیل عرصہ میں اپنے اشہب قلم کی جولانیوں سے خلیفہ ربوہ کو انگاروں پر لوٹایا ہے۔وہ ایک مخلص قادیانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔طالب علمی کے زمانے میں ہی ان کا کشف خطا ہوگیا تھا۔وہ خلیفہ صاحب کے کھوکھلے دعووں سے برگشتہ ہو کر ان کے داغدار دامن سے الگ ہو گئے تھے۔جب

بالغ ہوئے تو ان کو رازِ اندرون خانہ کا بھی علم ہوا۔ان کی پاکیزہ فطرت اس اخلاقی راج سے مصلحت آمیز مفاہمت بھی نہ کرسکی‘ پہلے پہل وہ المفرد و باللغوم و یوماپر عمل کرتے ہوئے‘ خلیفہ صاحب کی ریشہ دوانیوں کو طرح دے گئے چونکہ ان کا وجود خلیفہ صاحب کے لیے خارِ کسوف بنا ہوا تھا۔خلیفہ صاحب نے ان کو مٹانے کی ٹھانی اور اپنی جارحیت کا رخ ان کی طرف موڑ دیا۔چونکہ مزید سکوت فرار متصور ہوتا تھا۔راحت ملک نے ایک جری مصنف کی طرح اپنے قلم کو سنبھالا اور خلافت کی قباء میں گھاؤ ڈال دیئے۔اب انہوں نے خلیفہ صاحب کی باقاعدہ سوانح عمری لکھ کر ایک ادبی، علمی اور تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔اس میں ''دور حاضر کے مذہبی آمر'' کے ہوش ربا پہلوؤں کی چلتی پھرتی تصویر پیش کی ہے۔اس سے پہلے کوئی ایسی تصنیف منصۂ شہود پر نہیں آئی۔یہی وہ پہلی کتاب ہے جس میں خلافت مآب سے اعمال وافعال کا دلکش مرقع پیش کیا ہے۔اس میں مصنف نے کمال چابکدستی سے بتایا ہے کہ کس طرح اس شخص نے اپنے بیالیس سالہ خلافت میں دین کے ساتھ تلعب کیا اور شریعت کو بازی گاہ بنائے رکھا اور اپنے علم وفراست اور جماعت کے وسائل وذرائع کو اپنے اعمال کی پردہ داری کے لیے وقف کر دیا۔ملک صاحب موصوف نے اس شخص کی زندگی کو ایک ملت کے گناہ کے طور پر پیش کیا ہے۔کیونکہ اگر جماعت اپنے دین کو خلیفہ صاحب کی تمناؤں پر مقدم رکھتی تو وہ آج قعرِ مذلت میں گر کر تاریخ میں ایک عبرت ناک باب نہ بنتی۔چونکہ اس معصیت میں ایک ملت کی ملت شریک ہے۔یہ خدا کی تقدیر سے کیسے بچ سکتی ہے؟ یہی وہ المیہ ہے جو اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔اس کو پڑھ کر ایک قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ قادیانی جماعت کا المناک انجام قریب ہے۔زمین وآسمان حرکت میں نہیں۔فطرت کی تعزیریں عمل کے لیے بے تاب ہیں۔خدا کبھی اس جرم کو معاف نہیں کرتا جو بیالیس سال سے قادیانی نظام کے حدود اربعہ میں ہو رہا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض تو کرلیتی ہے
پر نہیں کرتی وہ ملت کے گناہوں کو معاف

''شہر سدوم'': شہر سدوم کے مصنف جناب شفیق مرزا‘ کتاب کے دیباچے میں یوں رقم طراز ہیں۔

قادیانی امت اور جنسی انارکی: کسی شخص یا گروہ کی جنسی انارکی کے واقعات کا تذکرہ یا اس کی اشاعت عام طور پر ناپسندیدہ خیال کی جاتی ہے۔ہمیں بھی اصولاً اس بات سے اتفاق ہے لیکن اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مذہب کا لبادہ اوڑھ کر خلقِ خدا کو گمراہ کرے اور ''تقدس'' کی آڑ میں مجبور مریدوں کی عصمتوں کے خون سے ہولی کھیلے، سینکڑوں گھروں کو ویران کر دے، انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقدس افراد کے بارے میں ژاژ خائی کرے تو اسے محض اس بنا پر نظر انداز کر دینا کہ وہ ایک مذہبی دکان کا بااثر مالک ہے۔قانوناً، شرعاً، اخلاقاً ہر لحاظ سے نادرست اور ناواجب ہے۔قرآن مجید نے مظلوم کو نہایت واضح الفاظ میں ظالم کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔بقولہ تعالیٰ: ''**لا یحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم** '' مرزا غلام احمد نے جس زبان میں گل فشانی کی ہے، کوئی بھی مہذب انسان اسے پسند نہیں

کرسکتا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور خاص اس کا نشانہ بنے ہیں۔گو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحائے امت میں سے بھی شاید ہی کوئی فرد ایسا ہوگا جو ان کی شیطان القلمی کی زد میں نہ آیا ہو۔مسلمانوں کو کنجریوں کی اولاد قرار دینا، مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو ''نجس'' اور ''نطفتہ السفہاء'' کے نام سے خطاب کرنا، مناظرہ میں مسلمانوں کے شہرہ آفاق مناظر کو ''بھونکنے والا کتا'' کے الفاظ میں یاد کرنا اور اس نوع کی دیگر بے شمار دشنام طرازیاں ہر معبد فطرت کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ کونسی نفسیاتی الجھن ہے جو نبوت کا دعویٰ کرنے والے اس شخص کو ایسے الفاظ استعمال کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

مرزا غلام احمد کے بعد ان کے بیٹے مرزا محمود نے اپنے بلند بانگ دعاوی کی آڑ لے کر جن قبیح حرکات کا ارتکاب کیا۔ان کی طرف سب سے پہلے انگلی، پیر سراج الحق نعمانی نے اٹھائی اور ''ابن صالح'' کے کرتوتوں کے بارے میں ایک رقعہ لکھ کر مرزا غلام احمد کی پگڑی میں رکھ دیا۔گو پیر کا بیٹا ''مریدوں کی عدالت'' سے شبہ کا فائدہ حاصل کر کے بچ گیا۔لیکن اس کے دل میں یہ بات پوری طرح جاگزیں ہوگئی کہ مریدوں کی تطہیر ذہنی ہی کافی نہیں، معاشی جبر کے ساتھ ساتھ ان پر ریاستی جبر کے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے جائیں۔تاکہ وہ کبھی سچ بات کہنے کی جرأت نہ کر سکیں۔پیر سراج الحق نعمانی نے اظہار حق کا جو جرم کیا تھا۔اس کی پاداش میں مرزا محمود نے ساری عمر اسے چین نہ لینے دیا۔اور ہر ممکن طریقہ سے اس پر تشدد کیا تھا۔اور ہر ممکن طریقہ سے اس پر تشدد کیا۔اطمینانِ کامل کے بعد مرزا محمود پھر اپنے دھندے میں مصروف ہوگیا۔اور اس کی احتیاطوں کے باوجود ہر چند سال کے بعد اس پر بدکاری کے الزامات لگتے رہے۔مباہلے کی دعوتیں دی جاتی رہیں۔مگر وہاں ایک خامشی تھی۔سب کے جواب میں۔جوں جوں وقت گزرتا گیا بڑے بڑے مخلص مرید واقف راز ہو کر ایک ہی نوعیت کے الزامات لگا کر علیحدہ ہوتے گئے اور انسانیت سوز بائیکاٹ کا شکار ہوتے رہے۔حیران کن امر یہ ہے کہ تین تین یا پانچ پانچ سال بعد الزامات لگانے والے ایک دوسرے سے قطعاً ناآشنا ہیں مگر الزامات کی نوعیت ایک ہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مرزا محمود یا اس کے خاندان کے افراد نے کبھی بھی حلفِ موکد بعذاب اٹھا کر اپنے مصلح موعود کی پاکیزگی کی قسم نہیں کھائی۔ (جاری ہے)

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

☆ دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان ☆ 28 نومبر 2002ء بروز جمعرات، بعد نماز عصر

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی **سید عطاء المہیمن بخاری** دامت برکاتہم (امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

نوٹ: رات قیام کرنے والے حضرات گرم چادر ہمراہ لائیں۔

الداعی: سید محمد کفیل بخاری ناظم جامعہ معمورہ، دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان فون: 061-511961